

کرتے تھے چلے گئے.. اور پھر سے خاموشی ہو گئی.. اس خاموشی کے پھیلتے ہی جنہوں نے ہتھیار اٹھا رکھے تھے ان کے بازوؤں میں ذرہ برا بر سکت نہ رہی اور وہ نیم مردہ ہو کر لٹک گئے.. ابھی وہ تنے ہوئے اور مضبوط تھے اور جو نہی خطرہ ٹل گیا اور وہ پھر سے لا غیر ہو گئے..

مرتضی نے بہت دیر تک کان لگائے رکھے کہ شاید ابھی کوئی اور ہو لیکن وہاں صرف سکوت تھا.. اس نے جس کام میں وہ بجتا ہوا تھا پھر سے جاری کر لیا اور خبر گھوڑے کی جلد پر ایک آری کی مانند چلانے لگا..

”یا راجب گھوڑے کا زین کتا ہے تو اس کا نچلا حصہ نرم لگتا ہے.. اور کوشش کرو“ گل شیر نے مشورہ دیا..

مرتضی نے اس کے مشورے پر فوراً عمل کیا کیونکہ وہ اس پھر کو کاشت کاٹتا اکتا چکا تھا اور اُس کی انگلیاں تھک گئی تھیں.. زیریں حصے پر خبر رکھتے ہی اُسے احساس ہو گیا کہ یہ نسبتاً نرم ہے اور یہاں کامیابی کا مکان ہے.. پہلی سیر ہی تاریک ہو گئی..

جلد کے اندر رجب گوشت تک دھار پہنچی تو مرتضی پہلی بار پیشمان ہوا کہ وہ یہ کیا کر رہا ہے.. چند ڈول کی مانند ایک مردہ جانور کے گوشت کو کھانے کے لیے کاٹ رہا ہے.. لیکن یہ پیشمانی انہتائی عارضی تھی.. مردہ اور برف ہو جانے کے باوجود گھوڑے کے کچے گوشت میں سے ایک تو اندا اور اشتہا انگیز بُو آئی جو تہہ خانے کی بھوکی ہوا میں رپنے لگی.. اور اُس کامنہ پانی سے بھر گیا.. آج تک کسی کچھی ہانڈی میں دیسی گھنی سے نجھنٹے گوشت میں سے بھی ایسی لذت بھری مہک نہ آئی تھی..

ناکیس اس مہک کی خربپاتے ہی بے چینی سے سکڑنے لگیں..
ہر ایک کے منہ میں پانی بھرنے لگا.. یہاں تک کہ عبد الوہاب کے منہ

میں جو سو کھی مٹی تھی وہ بھی سیراب ہونے لگی..
جانی ان سے الگ تو نہ تھا اُس کے تالوں میں بھی نبی کے ذریعے پھوٹنے
لگے اور اُس کا سر شرمندگی سے مزید جھک گیا..

ینچے تہہ خانے میں تو شب کی سیاہی مسلسل تھی لیکن اب اوپر پہلی
سیڑھی کے اوپر بھی گھنا اندر ہمراپھیل چکا تھا.. اور یہ تب ہوا جب وہ گھوڑے کے
گوشت کے لوٹھڑے دونوں ہاتھوں میں تھامے انہیں اپنے منہ کے قریب لاتے
تھے اور پھر ابکائیاں لیتے.. ان ابکائیوں سے دوہرے ہوتے انہیں پرے کر دیتے..
اُن کے بدنبال نظام میں کچھ بھی باقی نہ تھا وہ تھے بھی کر دیتے.. وہ پھر کوشش
کرتے لیکن جو نبی لوٹھڑے کا ماں ان کے لبوں کو چھوتا تو وہ پھر ابکائیاں لیتے لیتے
نڈھال ہو جاتے.. ان کے گلے میں ایک سو کھی خرخراہٹ شروع ہو جاتی..
صرف جانی تھا جو ابھی تک اپنی ضد پر قائم تھا.. اگرچہ اُس کے بدن کی
بھوک بغاوت کرتی تھی..

ایک مرتبہ پھر مرتضیٰ ان کی مدد کو آیا ”یہ بہت آسان ہے.. آنکھیں بند
کر کے اسے زبردستی منہ میں ھسپیر لواور پھر آہم کر کے نگل لو.. جیسے ندیدے کئے
گوشت کو نگلتے ہیں.. اور پھر منہ پر ہاتھ رکھ لو.. اسے باہر نہ آنے دو.. ایک بار یہ
اندر چلا گیا تو پھر باہر نہیں آئے گا.. میں نے ایسا ہی کیا ہے..“

”تم نے کھالیا ہے؟“

”ہاں.. یہ میرے اندر ہے.. بہت احتل پتھل ہو رہی ہے لیکن اندر
ہے.. کوشش کرو“

انہوں نے یہی حرابة آزمایا.. گھوڑے کے ججے ہوئے خون میں لوٹھڑے
پارچے حلق میں اتار کر نگل لیے اور پھر منہ سختی سے بند کر کے بیٹھ گئے کہ پتہ نہیں
اب کیا ہو گا لیکن حیرت انگیز طور پر اُن کے خالی معدوں نے انہیں اگلا نہیں..

قبول کر کے سنچال لیا۔

”جانی...“ مرتفعی نے ایک لوٹھڑا اس کے منہ کے قریب کیا ”بیٹے.. منہ کھوں دو.. پلیز کوشش کرو..“

”نہیں..“ جانی نے منہ پرے کر لیا کہ کہیں بھوک اُسے مجبور نہ کر دے ”مجھے بیٹھا مت کہو.. تم میری ماں نہیں ہو.. میں ایک گھوڑے کو نہیں کھا سکتا.. مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ عقیدہ اختیار کرنے پر مجھے ایک مردہ گھوڑا کھانا ہو گا... قرآن اور حدیث میں یہ کہیں درج نہیں ہے..“

”مجبوری کی حالت میں.. جان بچانے کی خاطر گدھے کو کھالینا بھی جائز ہے جانی.. یہ تو پھر گھوڑا ہے.. اس میں عقیدے کا کوئی عمل دخل نہیں..“ ”نہیں بیگ..“ جانی نے کپکاپتے ہاتھ سے لوٹھڑے کو پرے کر دیا ”میں تمہارا شکر گزار ہوں لیکن نہیں.. میں مر جاؤں گا لیکن ایک گھوڑے کو نہیں کھاؤں گا...“

باہر رات مکمل ہو گئی تھی..

رات مکمل ہوئی تو مکر چاندنی اُتر نے لگی.. پہلی سیرھی پر آگئی.. پیچی نے قے کر دی تھی اور گوشت کے ریشے اُس کے کھلے منہ سے نکلتے ہوئے فرش پر بُو پھیلاتے ہوئے گرتے جاتے تھے..

اللہ بخش سوچ کا تھا اور اُس کے خرائٹے بلند ہو رہے تھے..

گل شیر ولی ایک مطمئن حالت میں اوندھا پڑا تھا..

عبد الوہاب پہلی سیرھی پر نظریں جمائے سب سے لا تعلق ہو چکا تھا.. ایک نیلے ڈرم کی اوٹ میں جانی دیوار سے میک لگائے الگ ہو چکا تھا.. وہ ایک احساس جرم کے تحت مسلسل گھوڑے کے زیریں حصے کی جانب دیکھ رہا تھا جہاں ایک بڑا گھاؤ تھا اور اُس کی دو پسلیاں نظر آ رہی تھیں.. جہاں سے گوشت کا نا

گیا تھا.. پارچے تراشے گئے تھے.... اُس نے کبھی کسی گھوڑے کو اس حالت میں نہ دیکھا تھا.. اتحاد تاریکی میں بھی گھوڑا اور وہ خون آلود گھاؤ اسے صاف نظر آ رہا تھا.. اُسے یکدم احساس ہوا کہ شاید عشاء کا وقت ہو گیا ہے اور پچی پچی نے ابھی تک اذان نہیں دی تھی.. وہ باقاعدہ اذان تو نہیں دیتا تھا جتنی اس میں ہمت ہوتی تھی اس حساب سے وہ تقریباً سرگوشی میں ”حی اللفلاح.. حی اللفلاح..“ کہہ دیتا تھا اور وہ جب سے اس تہہ خانے میں آئے تھے اس قابل تو نہیں رہے تھے کہ باقاعدہ نماز ادا کر سکیں.. کبھی تیم کر لیتے تھے اور کبھی جس بھی حالت میں ہوتے تھے اشاروں سے نماز ادا کر لیتے تھے.. ابو طالب پچی پچی اپنی دادی نفیسه خاتون کی پیرودی میں نماز کے وقت کا تعین کرتا تھا.. اور پہلی سیر ہمی کے اوپر جب تاریکی ہلکی ہونے لگتی تھی تو یہ فجر کا وقت ہوتا تھا.. دھوپ تیسری سیر ہمی سے سست کر پہلی سیر ہمی پر اٹھتی تھی تو ظہر... اور جب دھوپ کے سامنے بڑھتے گئے تھے تو عصر... مغرب کا تعین نیم تاریکی کرتی تھی اور اس کے بعد جب تاریکی مکمل ہو رہی ہوتی تھی تو یہ عشاء کا وقت ہوتا تھا.. اور وہ باقاعدگی سے سب کو ایک سرگوشی میں فلاخ کی جانب بلانے لگتا تھا.. آج اس نے کوتا ہی کر دی تھی..

اسے اتنی ہوش ہی نہ تھی.. اس کے منہ سے ریشے لٹک رہے تھے اور وہ سر جھکائے کبھی نہیں نگتا تھا اور کبھی انگلتا تھا..

جانی نے دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے عشاء کے چار فرضوں کی نیت کری..

اگرچہ مرتضیٰ کا معدہ بھی بغاوت پر آمادہ تھا لیکن وہ اُسے اپنی قوت ارادی سے بمشکل سنپھال رہا تھا..

لیکن ایک تبدیلی ضرور رونما ہوئی.. جانی کے سواب نے.. جو نگل چکے تھے یا اگل رہے تھے ان سب نے بھوک کے کامنوں کے درمیان تو انائی کا

ایک چھوٹا سا پھول کھلتے محسوس کیا..

”ہاشم... ابھی ابھی جب تم ایک مرگ غنو دگی میں اُتر گئے تھے اور بیدار نہیں ہونا چاہتے تھے.. اپنے گھر چلے گئے تھے.. چلے گئے تھے نا؟“ مرتضیٰ نے پوچھا..
 ”ہاں.. میں وہاں تھا اور تم لوگوں نے زبردستی مجھے جگادیا.. میرے کمرے میں... بریڈ فورڈ انگلستان میں میرے کمرے میں گیس ہیٹر جل رہا تھا اور میں اس کی گرم آسودگی میں تھا جب تم نے مجھے جگادیا..“ ہاشم کے منہ میں بھی ابھی تک گھوڑے کے جھے ہوئے خون والے سخت لوقہ تھے جو نگلے نہیں جا رہے تھے..
 ”ہاں میں وہاں تھا..“

”تو تم اپنے گھر سے کیسے نکلے.. اس تھہ خانے میں کیسے آنکلے..“
 ”جیسے سب آنکلے.. میں تم سے مختلف تو نہیں ہوں“
 ”تم ہو.. یا پھر جانی ہے.. باقی ہم سب تو ایسے معاشروں میں سے آئے ہیں جہاں کی اکثریت مسلمان ہے.. پیدائش سے لے کر موت تک ہم اس کے تابع ہوتے ہیں.. ثابت کے ساتھ ساتھ ہم متفق اثاث بھی قبول کرتے جاتے ہیں..
 لیکن تم اور جانی ایک الگ جہاں کے باشندے ہو.. تم یہاں کیسے آگئے؟“
 ”آپ بتاؤ مرتضیٰ بیگ.. میں نے سنا ہے کہ تمہارا باپ ایک مجاہد ہے.. ملک کا ایک بڑا صنعت کار اور امیر کمیر شخص ہے.. اور تم مریضیز اور بی ایم ڈبلیو سے کمتر کاروں میں قدم رکھنا اپنی ہنگ سمجھتے تھے تو تم کیسے آگئے؟“
 ”میں.. ایک کفارہ دا کرنے آیا ہوں..“

”میری اردو اتنی اچھی نہیں کہ میں کفارہ کا مطلب سمجھ سکوں..“
 ”بس یوں سمجھ لو ہاشم.. کہ میں اپنے بزرگوں کے کیے پر شرمندہ ہوں..
 کچھ تلافلی کرنا چاہتا ہوں.. اپنا بوجہ ہلکا کرنا چاہتا ہوں..“
 ”شاید میں بھی اسی لیے.. اس تھہ خانے میں آیا ہوں....“

”اور شہادت کے لیے..“

”ہاں شہادت کے لیے بھی.. لیکن اس کے لائق میں نہیں... یورپ کا پریس ہم جیسے برطانوی شہریوں کے یہاں آنے کا جواز یہ پیش کرتا ہے کہ ہم شہادت کے بعد جنت میں ستر حوروں اور شراب طہورا کے لائق میں یہاں آتے ہیں.. مرتفعی.. مغرب میں یہ سب کچھ اسی زندگی میں.. مرنے کے بغیر بھی آسانی سے حاصل ہو جاتا ہے..“
”تو پھر..“

”ہم تو حوروں اور شراب کی بہتات سے تنگ آئے ہوئے ہوتے ہیں.... نہیں یہ نہیں کچھ اور جواز ہوتا ہے.. مغرب والے کبھی بھی جس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے.. میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں ایکس برس کا ہو گیا ہوں یا انہی دنوں ہونے والا ہوں اور میں نے کبھی بھی اپنے آپ کو اتنا مطمئن محسوس نہیں کیا جتنا اس تہہ خانے میں محسوس کرتا ہوں.. مجھے معلوم ہے کہ موت کے سوا اور کوئی میری راہ نہیں دیکھ رہا.. میری پسلیوں میں یا کہیں کوئی کی ہڈی کے نزدیک ڈیزی کڑز کے نکڑے ہیں اور میں اتنا مجبور ہو چکا ہوں کہ مردہ گھوڑے کے پارچے نگلنے کی کوشش میں ہوں اور اس کے باوجود میں مطمئن ہوں.. مجھے میں کسی پچھتاوے کا عفریت نہیں پہنکا رتا.. مجھے اگر دوبارہ زندگی ملے تو اسے بھی شاید اسی طور بر کروں اور اسی تہہ خانے میں پہنچوں..“

”لیکن تم یہاں تک آکیے گے؟“

”میں؟“ ہاشم نے منہ سے لٹکتے خون آلود ریشوں کو ہاتھ سے سمیتھے ہوئے پھر سے منہ کے اندر دھکینے کی کوشش کی.. ”میں؟“

وہ ایک عجیب مجرمانہ ذہنیت کا شخص ہے..
 کسی کو اپنے باپ کے بارے میں ایسا نہیں کہنا چاہیے لیکن وہ ایسا ہی ہے۔
 اور میں اُس کو ایک مجرمانہ ذہنیت کا شخص کہتے ہوئے بالکل شرمندہ نہیں
 ہوں .. میں نے ہمیشہ اُس کی جائز اور ناجائز خواہشوں کے سامنے سر جھکائے رکھا کہ
 میں اپنے والدین کے ساتھ نرمی برتنے اور ان پر احسان کرنے میں یقین رکھتا تھا۔
 میری ماں میرے باپ کی طرح ایک آن پڑھ خاتون ہے .. ایک ایسی
 وفادار خاتون ہے جو اپنے خاوند کے کردار پر تنقید کرنے کے بارے میں سوچ
 بھی نہیں سکتی .. اور جب میں اور میری اکلوتی بہن اپنے باپ کے بارے میں کسی
 بھی شک کا اظہار کرتے تھے تو وہ ہمیں ڈالٹتی تھی اور خفا ہو جاتی تھی .. اور ہم
 اُسے خفا نہیں کر سکتے تھے کہ اُس گھر میں وہ ہمارا واحد آسرا تھی ... میری بہن
 جو نبی سکول سے فارغ ہوئی میرے باپ نے میرپور کے کسی گاؤں سے اپنا ایک
 ڈور پار کا عزیز لڑکا امپورٹ کر کے اُس کی شادی کر دی .. وہ گھر سے بھاگ جانا
 چاہتی تھی .. اس کی ایک ہم جماعت پاکستانی لڑکی نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اس
 آن پڑھ لڑکے کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دے .. برطانوی قانون اُس
 کے حقوق کی حفاظت کرے گا لیکن اس کے جیز کے اندر کہیں اپنی ماں کی
 غیر مشرط وفاداری کے جرثومے تھے اور وہ ایسا نہ کر سکی ...

میرا باپ تقریباً تیس برس پیشتر میرپور کے ایک گاؤں کی تنگدستی سے
نکل کر غیر قانونی طور پر برطانیہ میں سمجھل ہوا تھا..

اس کی تمام تراز جی برطانوی ویل فیر سٹم میں جوچ نکلنے کی صورتیں
ہیں جو درزیں ہیں ان کا فائدہ اٹھا کر .. رعایتیں حاصل کرنے میں گزری ہے ..
وہ بے شک کام پر ہوتا بھی وہ ڈیلکٹر کرتا تھا کہ میں بیکار ہوں اور ویل فیر
کے چیک و صول کرتا تھا .. ماں کو پابج قرار دلو اک اس کی دیکھ بھال کے لیے
حکومتی اور معاشرتی بہبود کی انجمنوں سے باقاعدہ رقم حاصل کرتا تھا .. برطانوی
قانون میں جہاں کہیں بھی کوئی گنجائش ہوتی تھی وہ اس سے فائدہ اٹھاتا تھا ..
اور اس پر فخر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر گنجائشیں موجود ہوں تو ان سے فائدہ نہ
اٹھانا کم عقلی ہے .. اور ماں اُسے حق بجانب سمجھتی تھی اور کہتی تھی کہ وہ جو کچھ
بھی کر رہا ہے ہمارے لیے اور ہمارے روشن مستقبل کے لیے کر رہا ہے .. وہ
اتوار کے دن پورے شہر کا چکر لگاتا اور ر بش ڈیپس میں طرح طرح کی ناکارہ
چیزیں کار میں بھر کر لے آتا اور کہتا کہ دیکھو یہ گورے اتنے بیوقوف ہیں کہ
اچھی بھلی کار آمد اشیاء کو پھینک دیتے ہیں .. اب بھلا ان پر دوں میں یا ان
دو کر سیوں میں کیا خرابی ہے .. ہمارا گھر اس قسم کے کاٹھ کبڑے سے بھرا پڑا تھا ..

گھر پر اپنی وضع کا تھا اور اس کے تہہ خانے میں اس نے سلامی کی تین
مشینیں لگا کر کھی تھیں جن پر بچوں کے گارمنٹس تیار ہوتے تھے .. اس کام کے لیے
بھی اس نے دو غیر قانونی رکھے ہوئے تھے جو اس تہہ خانے میں سوتے تھے .. وہ
بالکل مزارعوں کی طرح تھے .. انہیں کوئی تینواہ نہ دی جاتی تھی .. تہہ خانے میں
سونے کے علاوہ پچھی پچھی خوراک ان کو دے دی جاتی تھی .. اور جب کبھی وہ شکایت
کرتے تو میرا باپ انہیں پولیس کے حوالے کر دینے کی دھمکی دے کر چپ کر
دیتا .. ظاہر ہے ہم دیگر تارکین وطن کی نسبت زیادہ خوشحال تھے ... لیکن یہ خوشحالی

ہمارے گھر سے باہر تھی.. قسطوں پر حاصل کردہ متعدد مکان تھے جو کرانے داروں سے حاصل کردہ رقم سے ہی آہستہ آہستہ میرے باپ کی ملکیت بن رہے تھے.. ان میں سے بیشتر کرانے دار بھی غیر قانونی ہوا کرتے تھے.. خوش حالی اس لیے گھر سے باہر تھی کہ میرا باپ ایک ایک چیز کا حساب رکھتا تھا یہاں تک کہ اُس دودھ کا حساب بھی رکھتا تھا جو میری ماں سونے سے پیشتر گرم کر کے مجھے پلاتی تھی.. وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ گوروں کی ملکہ اگر اپنے چھوٹے بیٹے کو بڑے بیٹے کی پرانی نیکریں پہننا سکتی ہے تو تم لوگ آسمان سے اُترے ہوئے ہو..

شادی کے صرف دو برس بعد میری بہن نے اپنے اجڑ خاوند کی روزانہ کی مارپیٹ سے تنگ آ کر اس سے طلاق حاصل کر لی اور ایک بار میں ویٹر لیں کے طور پر کام کرنے لگی.. میری ماں تو کئی روز تک بین کرتی رہی لیکن باپ کو کچھ قلق نہ ہوا.. وہ اُس لڑکے کے ماں باپ سے یہ وعدہ کر کے اُسے بریڈ فورڈ لایا تھا کہ وہ اسے شہریت دلانے گا اور نوکری کا بندوبست کرے گا جو اُس نے کر دیا... اس وعدے کے عوض جو رقم حاصل ہوئی تھی اُس سے ایک اور مکان قسطوں پر خرید لیا تھا..
شاید میں اپنے باپ کا صرف منفی رُخ بیان کرتا چلا جا رہا ہوں..

وہ باقاعدگی سے نماز ادا کرتا تھا اور مقامی مسجد کی تعمیر میں اُس کا حصہ سب سے زیادہ تھا... میں اُس کا شکر گزار ہوں کہ اس نے ایک خاص عمر تک مجھے رہنے کے لیے جگہ اور خوراک مہیا کی.. تعلیم پر اٹھنے والے اخراجات کے بارے میں اُس نے کبھی اعتراض نہ کیا.. مجھے کبھی مارا پیٹا بھی نہیں.. البتہ اس نے مجھے میری بہن سے ملنے سے منع کر دیا کہ اُس نے خاندان کا نام ڈبو دیا تھا اور ایک شراب خانے میں کام کرتی تھی..

وہ مجھے بھی بیسر پینے سے منع کرتا تھا.. شراب کو قطعی طور پر ہاتھ نہیں لگاتا تھا لیکن گوریوں سے ہم بستری اور مسلسل ہم بستری کو وہ عیسائیت پر اسلام کی برتری

کے کھاتے میں ڈال دیتا تھا.. اس نے ایک سٹور میں سے اپنا حصہ نکال لیا تھا جب اُسے معلوم ہوا تھا کہ اُس سٹور میں شراب اور سور کا گوشت بھی فروخت کیا جاتا ہے.. اُس کے اپنے اصول تھے.. یہ میری بُدمتی تھی کہ میں بر طابوی نظام تعلیم اور اس معاشرے کی بیٹھار ثابت اقدار کا پروردہ تھا اور باپ کی شخصیت میں یہ تضاد مجھے ذاتی طور پر اذیت میں بتلا رکھتا تھا.. میں نے کبھی اس سے بحث کرنے کی کوشش نہیں کی.. ایک تو شاید وہ مجھ پر ہاتھ اٹھا لیتا اور دوسرا یہ کہ اُس کی ذہنی استعداد اتنی نہ تھی کہ وہ یہ سمجھ سکے کہ اگر ملکت چیکرنے بھی موجود ہوں تو بھی آپ کو ملکت خرید کر ٹرین میں سفر کرنا چاہیے کہ یہ آپ کی اخلاقی ذمہ داری ہے...

اے لیونز میں پانچ ایز حاصل کرنے پر مجھے لنڈن سکول آف آکنامکس میں داخلہ مل گیا اور میں بریڈ فورڈ چھوڑ کر لنڈن شفت کر گیا.. یہ پہلی بار تھا کہ مجھے لنڈن میں باقاعدہ قیام کرنے کا موقع ملا تھا.. اگرچہ میں بریڈ فورڈ میں بھی باقاعدگی سے مسجد جایا کرتا تھا اور سکول کے بعد وہاں سے میں نے ایک میر پوری مولوی صاحب سے قرآن پاک کی تعلیم بھی حاصل کی تھی.. لیکن میں کبھی بھی مذہب کی جانب راغب نہیں ہوا تھا.. جتنا مجھے میرا باپ دھکیلتا تھا بس اتنے ہی قدم اٹھاتا تھا.. جب کبھی کوئی عالم دین پاکستان سے آتا تو میرا باپ خاص طور پر مجھے اُس کا وعظ سننے کے لیے لے کر جاتا.. یہ مولوی حضرات لمبے لمبے چوغوں اور مزاجیہ قسم کی آڑی ترچھی ٹوپیوں میں ملبوس ہوتے اور ہمیں قبر کے عذاب اور قیامت کے قرب کی نشانیاں بتلا کر میر پور میں تعمیر کی جانے والی کسی مسجد اور مدرسے کے لیے چندہ اکٹھا کر کے چلے جاتے.. میں اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا لیکن وہ بے حد جاہل لوگ تھے جن کے پاس عذاب کی نوید کے سوا اور کچھ نہ تھا.. لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا انہیں بریڈ فورڈ میں مدعو کرنے والوں کی ذہنی سطح بھی بس ایسی ہی تھی.. چنانچہ مذہب نے کبھی بھی مجھے اپنی

جانب متوجہ نہ کیا..

تو پھر میں یہاں کیسے آگئی؟

لندن سکول آف اکنامکس کو ترک کر کے .. اپنے ماں باپ کو اطلاع کیے

بغیر یہاں کیسے آگیا اس تھے خانے میں ..

یقین کرو وہ اب بھی نہیں جانتے کہ ان کا بیٹا ہاشم میر کہاں غائب ہو گیا

ہے .. میرا باپ یہ یقین رکھتا ہو گا کہ میں کسی گوری کے ساتھ شادی کر کے زندگی کے مزے لوٹ رہا ہوں اور اس کی سرزنش کے خوف سے روپوش ہو گیا ہوں ..

سکول میں میرا ہم جماعت ایک سعودی لڑکا تھا .. ال منصور .. وہ بہت کم

گو اور دھیما شخص تھا .. میں ملاقات کا شائق نہ تھا .. کلاسیں اینڈ کرنے کے بعد

اپنے نوٹس فائل میں محفوظ کرنے کے بعد فوراً چلا جاتا .. ایک روز اسلامک سنٹر

میں اُس سے ملاقات ہو گئی .. وہ نماز جمعہ کے لیے وہاں باقاعدگی سے آتا تھا لیکن

اُس روز وہ صف میں میرے برابر میں کھڑا تھا اور جب اُس نے باسیں جانب سلام

پھیر کر بلند آواز میں "السلام علیکم ورحمة اللہ" کہا تو میں نے بھی اتنی ہی بلند آواز

میں جب دائیں جانب سلام پھیرا تو "السلام علیکم ورحمة اللہ" کہا اور میرے لبوں

پر مسکراہٹ تھی ..

خطبے کے بعد اُس نے مجھ سے پوچھا کہ تم مسکراتے کیوں تھے ..

میں نے کہا، ہم اتنے دنوں سے ایک دوسرے کے ہم جماعت ہیں لیکن

تم نے آج تک مجھے سلام کرنے کی رحمت گوارا نہیں کی بلکہ امکان ہے کہ تم

میرے وجود سے بھی آگاہ نہیں تھے تو آج تم نے جو اتنی بلند آواز میں سلام کہا

تو .. میں اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ رکھ سکا ..

میں کیسے یہاں آیا؟

یہ ال منصور تھا جو مجھے یہاں لے کر آیا ..

اُس نے مجھے اسلام کے اُس تصور سے آگاہ کیا جس کی وسعت.. کائناتی سچائی اور فرائدی میرے گمان میں بھی نہ تھی.. جس کی رحمت اور محبت کے بارے میں مجھے آج تک کسی نے نہیں بتایا تھا.. میں اسے صرف خوف اور عذاب سمجھتا رہا تھا.. ایک ناقابل عمل عقیدہ سمجھتا رہا تھا.. وہ مجھے سامنے بٹھا کر قرآن پڑھتا اور پھر انگریزی میں اُس کی تفسیر کرتا تو مجھے ایسی دنیا میں دھکائی دینے لگتیں جو آج تک میری نظریوں سے او جھل تھیں اور میں اُن کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا..

مجھے اب تک جتنے بھی سعودی لڑکے ملے تھے وہ لاپروا اور کھلنڈرے لوگ تھے.. کند دماغ اور پیسے کی فراوانی کے تکبر میں بیتلالوگ تھے... وہ ہم پاکستانی نژاد برطانویوں کو حقارت سے دیکھتے تھے لیکن ال منصور ایک ایسی نسل کا نمائندہ تھا جس نے پہلی بار غور کیا تھا.. پیٹرو ڈالر کے غرور میں سے باہر آ کر اپنی عزت نفس کے بارے میں سوچا تھا.. وہ امریکیوں پر غلامانہ انحصار اور اُن کی سعودی عرب میں موجودگی کو اپنی عزت نفس کی توہین گردانتا تھا.. جس طرح میرے باپ کے کچھ اصول تھے اسی طرح ال منصور کا بھی ایک اپنا لکھتے نظر تھا جس کے ساتھ اختلاف کیا جاسکتا ہے..

میں نے ابھی کہا ہے کہ یہ اُل منصور تھا جو مجھے یہاں لے کر آیا.. ذاتی طور پر نہیں.. وہ تو شاید ابھی تک لنڈن میں زیر تعلیم ہے اور سوچتا ہے کہ وہ ہاشم میر جو سر جھکائے میری باتیں سنتا رہتا تھا کیدم کہاں چلا گیا ہے.. یہ اُس کی فکر تھی، جو مجھے یہاں لے آئی.. جس نے مجھے ایک مقصد دیا..

نہیں میں یہاں کفارہ ادا کرنے نہیں آیا.. اپنا فرض ادا کرنے کے لیے آیا ہوں.. بے مقصدیت کی.. اور بے وجہ زندگی کو ایک کائناتی تصور کے حصول کے لیے وقف کرنے کے لیے آیا ہوں.

مجھے یہاں پہنچ کر بہت سے دھچکے لگے..

مجھے محسوس ہوا کہ یہ وہ کائناتی تصور نہیں ہے جس کی مجھے خواہش تھی.. اس میں اتنی تنگ نظری۔ تعصباً اور جہالت ممکن ہی نہ تھی جو طالبان میں پر خلوص ہونے کے باوجود ان کی محدود سوچ پر حکمرانی کرتی تھی.. ان کی نیت بے شک کھری تھی لیکن نیت کرنے والے کی ذہنی سطح بھی تو اہم ہوتی ہے.. اگر بر طانوی معاشرے کی اقدار مجھے اپنے باپ کی تعظیم کرنے سے روک سکتی تھیں تو میں طالبان کو بھی تو پرکھ سکتا تھا.. لیکن میں نے دیکھا کہ یہاں پر کھنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے.. ایک جانب عورت اتنے بلند و برتر مقام فضیلت پر فائز کہ وہ ہمارے رسول پر سب سے اول ایمان لاتی ہے.. اُسی سے ان کی نسل آگے بڑھتی ہے اور دوسری جانب اُسے ایک جانور بنادیا جاتا ہے اور صرف اُس کے شخنے نظر آجائے پر اسے سر بازار بید سے پیٹا جاتا ہے.. ایک فٹ بال سینڈیم میں ایک بڑے ہجوم کی موجودگی میں اُسے ایک با پردہ حالت میں.. بر قلعے میں لپیٹ کر شوٹ کیا جاتا ہے.. طالبان کو پر کھنے کے لیے اور بھی بہت کچھ تھا.. یہ میرا کائناتی تصور ہرگز نہ تھا.. میں بذرن ہو کر... بڑی آسانی سے مرحد پار کر کے اسلام آباد ایئر پورٹ سے لنڈن کی فلاٹ پر سوار ہو سکتا تھا کہ میرے پاس بڑش پاپسورٹ ہے لیکن میں نے ایسا نہیں کیا.. کیونکہ میں تم جیسے حوصلہ مند اور اپنے مقصد پر مکمل یقین رکھنے والے ساتھیوں کو نہیں چھوڑ سکتا تھا...

اب میں طالبان کے لیے نہیں.. تصور کامل کے حصول کے لیے نہیں...
اپنے بے لوٹ اور جاں ثناہ ہمراہیوں کی خاطر یہاں ہوں..

کس نے پوچھا تھا کہ میں یہاں کیوں ہوں؟ ..

”میں نے..“ مرتضی بیگ کی آواز آئی ”لیکن میں نے وہ سب کچھ نہیں.. سنا جو تم کہہ رہے تھے.. میں .. گھوڑے کے گوشت کی اپنے معدے میں تقویت کے باوجود اپنی نقاہت میں کچھ دیر کے لیے اوگنگھے گیا تھا.. جانے تم کیا کہہ رہے

تھے.. جنوں میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ سمجھ میں نہیں آتا.. میں نے صرف یہ سنا کہ بریڈ فورڈ میں تمہارا ایک باپ تھا.. ایک ماں تھی جو سونے سے پیشتر تمہیں گرم دودھ پلاتی تھی.. کوئی ال منصور تھا.. اور طالبان تھے جن کی نیت کھری تھی لیکن وہ ایک عورت کے سخنے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے.. لیکن ہاشم میر.. جو ہوا سو ہوا.. اب اس تھہ خانے میں بھوک سے مجبور ہو کر ایک مردہ گھوڑے کے گوشت کو نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے.. شدید سردی میں ٹھہر تے.. گھوڑے کی سرد لید اور محمد پیشاب میں لٹھڑے ہوئے.. جب کہ تم جانتے ہو کہ ہم کبھی بھی اس قبر میں سے زندہ نہیں نکل سکیں گے.. ہم یہاں صرف مرنے کے لیے موجود ہیں تو کیا پھر بھی.. اپنے بر طانوی نظام تعلیم اور معاشرے کی اقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے جن کا تم بار بار حوالہ دیتے ہو.. کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارا... یہاں آنے کا فیصلہ درست تھا؟“

”بے شک..“ ہاشم کی نقاہت بھری آواز میں تو انائی در آئی ”بے شک..“
 ”اور تمہیں کوئی پچھتاوا نہیں؟“
 ”نہیں..“

یہ جانی تھا جس نے ایک ناتوان کروٹ لی.. وہ ہاشم میر کی کہی ہوئی داستان سے بے خبر تھا.. اُس کے اندر تو گھوڑے کے گوشت کی تو انائی بھی نہ تھی اس لیے وہ سب سے بے خبر تھا لیکن اُس نے صرف اتنا سنائے کہ کوئی پوچھ رہا ہے کہ تمہارا یہاں آنے کا فیصلہ درست کیا.. اور کوئی اور جواب دے رہا ہے کہ بے شک.. تو اُس نے کسی کو بھی مخاطب نہ کیا.. تاریکی کو گھورتا ہوا بولا ”بے شک..“ مجھے بھی شامل کر لو.. مجھے بھی کوئی قلق نہیں.. میں آرلنگٹن کے امریکی ہیر وز کے خصوصی قبرستان میں دفن ہو کر اپنی قبر پر ایک دائیٰ شعلہ روشن کروانے کی بجائے یہاں قلعہ جنگی کے اس تھہ خانے میں مر جانا بخوبی پسند کروں گا.. بے شک..“

”لیکن تم.. گھوڑا نہیں کھاؤ گے؟“

”نہیں... بے شک نہیں“

”مر جاؤ گے.. لیکن نہیں کھاؤ گے؟“

”نہیں..“

”میکا تم میں کچھ عقل نہیں ہے جانی؟“

”عقل کا عمر سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا بیگ..“ محض اس لیے کہ تم ہم

سے چند برس پہلے پیدا ہوئے تھے تم ہمارے لیے فیصلے نہیں کر سکتے..“

”میں تمہارے لیے کوئی فیصلہ نہیں کر رہا جانی.. یہ میری مشرقت ہے جو عمر میں براہو نے کے باعث تمہاری ذمہ داری میرے کا ندھوں پر ڈالتی ہے.. تم سب مجھے بے حد پیارے ہو میرے روحانی رشتے دار ہو.. میں صرف اس آرزو میں ہوں کہ تمہارے معدے کے اندر کچھ خوراک جائے، تمہیں کچھ تقویت دے اتنی کہ جب وہ آئیں تو تم کم از کم ان کا کچھ ت مقابلہ کر سکو“

”وہ تو نہیں آئیں گے بیگ.. میرے ہم وطن نہیں آئیں گے اور تم سب اس خوش نہی کا شکار تھے کہ وہ آئیں گے.. تمہارے رو برو ہوں گے اور تمہارے ایمان کا زور ان پر حاوی ہو جائے گا.. لیکن وہ تو اُپر آسمانوں میں ہی رہے..“

”شمال والے تو زمین پر ہیں..“

”آہو.. وہ اپنی زمین پر ہیں اور ہم اپنی زمین چھوڑ آئے ہیں..“ بہت دیر سے اللہ بخش کچھ نہیں بولا تھا.. اب بولا ”شمال والے اوپر قلعہ جنگلی کے صحن میں لاشوں کی تلاشی لیتے رہیں گے پھر ادھر کیا کرنا ہے انہوں نے آکر.. نہ وہ جانتے ہیں کہ ہم ادھر ہیں.. وہ تموج کر رہے ہیں اپنے مزار شریف میں“

”صرف ایک پارچہ نگل لو جانی.. پلیز..“ بیگ ہمت نہیں ہار رہا تھا ”صرف ایک چھوٹا سا نگلڑا..“ تم صرف اسے منہ میں رکھ لو اور میں تمہارے منہ پر

اپنی ہتھیں جمادوں گا اور وہ باہر نہیں آئے گا.. پلیز”
”نہیں..“

”جانی... ایک تصور کامل کی خاطر تم نے بہت کچھ تیاگ دیا ہے.. تھوڑی
سی قربانی اور دے دو..“
”جانی..“

جانی کی جانب سے ”نہیں“ بھی نہ آیا.. وہ ایک مرگ کیفیت اونگھے میں
جا چکا تھا اور اُس کے ساتھ اب گفتگو کرنا ممکن نہ رہا تھا..

”نہیں نہیں..“ اللہ بخش کا سر اُس کے نیم مردہ دھڑ سے الگ یوں
حرکت میں آیا جیسے اُسے بیٹھی سیل کے ساتھ متحرک کر دیا گیا ہو ”نہیں.. نہیں“
”اللہ بخش.. یہ تم ہو..“
”ہو..“

اُس کا متحرک منہ کچے فرش میں سے ڈھول اڑاتا کھلا اور ”ہو ہو“ کرنے
لگا.. اُسے جب کبھی مخاطب کیا جاتا تو وہ ہمیشہ منہ کھول کر ”ہو“ کہتا اور ایک نسخی
سی رال پک جاتی..

”تم.. نہیں نہیں.. کیوں کہہ رہے تھے؟“

”اس لیے کہ میں بھی.. نہیں نہیں.. ہوں.. آہو.. بیگ جی میں نے تم
سب سے زیادہ آسانی کے ساتھ گھوڑے کو کھایا ہے.. آسانی سے گھوڑا میں نے
اس لیے کھایا ہے کہ میں تم سب سے زیادہ بھوکا ہوں.. تم سب رجتے پڑھ لوگ ہو
کھاتے پیتے گھروں کے.. تم تو صرف پچھلے چار پانچ دن سے بھوکے ہو اور میں
ہمیشہ سے بھوکا ہوں اس لیے میں نے گھوڑا آسانی سے کھایا ہے آہو.. مجھے آج
تک کسی نے نہیں پوچھا کہ اللہ بخش اگر تم ہو تو کیوں ہو کیونکہ میں کتنی کمین ہوں..
اور تم نے بھی نہیں پوچھا بیگ بھائی..“

”کیا مطلب؟“

”تم نے اپنا آپ بتایا ہے کہ تم یہاں کیسے آگئے.. پچھی اور ہاشم نے بتایا ہے.. سب سے پوچھا ہے پر مجھ سے نہیں پوچھا کہ میں یہاں کیسے آگیا؟“
بیگ کے ہونٹ پھٹے ہوئے تھے اور ذرا سا سکیرٹ نے سے بہت دکھتے تھے
اس کے باوجود وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا ”چلو میں تم سے بھی پوچھ لیتا ہوں.. اللہ بنخش تم یہاں کیسے آگئے؟“

”مجھے ایک بونے نے یہاں بھیجا ہے..“ اللہ بنخش کی آواز میں فخر تھا..

”بونے نے؟“ اور بیگ کی آواز میں حیرت تھی..

”آہو.. بونے نہیں ہوتے.. باشت بھر کے بندے..“

”میرا خیال ہے گھوڑے کا گوشت تمہیں موافق نہیں آ رہا.. تم آرام کرو“

”تم سمجھتے ہو میں جھلا ہوں.. میں قسم ایمان کی سچ کہتا ہوں مجھے یہاں ایک بونے نے بھیجا ہے..“

”چلو بتاؤ کہ کس طرح بھیجا ہے..“

”پہلے سب کو.. پچھی وہاب اور گورے کو بتاؤ کہ مجھے بونے نے بھیجا ہے پھر سناؤں گا کہ کس طرح بھیجا ہے..“

”اگر وہ سن سکتے ہیں تو سن لیں گے... وہ بہت دری سے کچھ نہیں بولے..“

جانی کے معدے میں کچھ نہیں گیا اس نے کیا سننا ہے تم مجھے سناؤ..“

”بیگ..“ یہ جانی تھا ”آئی ایم ناٹ ڈیڈ اینیسیٹ.. سناؤ اللہ بنخش.. مجھے

”بونے کی کہانی سناؤ.. یو میں ڈوارف؟“

”ہاں جانی..“ بیگ خوش ہوا کہ وہ خوش میں ہے ”بونا.. ڈوارف..“

اللہ بنخش اتنا خذباتی ہوا کہ کراہتا ہوا انٹھ کر بیٹھ گیا..

فرش پر گھوڑے کی لید سخت ہو چکی تھی سرد بہت تھی..
سیڑھیاں تاریک تھیں..
باہر پھر رات کاراج تھا..

”میرے داد کے اور ناکے دونوں آبائی میراثی پیشہ تھے یعنی جس کو مولوی صاحب نجیب الطفین کہتے ہیں.. ہمارا کام چوہدریوں کے حقے بھرنا، مجھتیں کر کے اُن کا دل لگانا.. ہاسا مخول کرنا تھا اور جھوپی پھیلائے رکھنا تھا.. اُس جھوپی میں اگر وہ کچھ ڈال دیتے تو ہماری موچ ہو جاتی ورنہ بھوکے بھی سورہتے.. کنک کی کٹائی کے دن آتے تو ہم اُن کے کامے ہو جاتے.. کھیتوں میں گرے پڑے نئے جمع کر کے اُن میں سے دانے نکال کر انہیں ابال لیتے اور گڑ کے ساتھ کھا لیتے... ججتیں کرنے اور ہاسے مخول کے سوا ہمیں اور کچھ آتا ہی نہ تھا.. البتہ جو ڈھونکی کھڑکا لیتے تھے وہ شہر جا کر میوزیشن ہو گئے اور ایک دو نے سطح پر چڑھ کر بڑی مشہوری کیا.. دولت کماں پر وہ اپنے آپ کو میراثی نہیں کہتے تھے آرٹسٹ کہتے تھے اور ہمارے ساتھ سلام دعا نہیں کرتے تھے۔ باقی سب گاؤں میں ویسے ہی کتنی کمیں رہے جھوپی پھیلائے چوہدریوں کی آل اولاد کی خیریں مانگتے رہے.... اور..“

”اللہ بخش..“ جانی پھر او نگھنے کو تھا ”تم بونوں کی بات کرو“
”آ ہو.. وہ بھی بتاتا ہوں.. پر پہلے میں تمہیں ایک عجیب معلومات دیتا۔

ہوں... بڑی خاص معلومات ہے.. ادھر ہمارے پاس جتنے بھی ذرا سخت طبیعت والے مولوی اور مدرسون کے طالب علم ہیں ان میں بڑی تعداد میرے جیسے کئی کمینوں کی ہے.. پوچھو کیوں؟.. ایک تو یہ ادھر روٹی پانی کا بندوبست ہو جاتا ہے.. سب لوگ برابر ہوتے ہیں کیونکہ میرے سو بنے رسول نے اعلان فرمایا تھا کہ رنگ نسل اور قبیلہ برادری کچھ نہیں سب برابر ہیں.. دوسرا یہ کہ کمیں جب داڑھیاں رکھ کر مولوی ہو جاتے تھے اور ہاتھ میں کلاں گوف پکڑ لیتے تھے تو ان کے سامنے کوئی چوپ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ تو اللہ کے سپاہی ہوتے تھے.. ذرا سوچو قیاس کرو کہ ایک کمی جو چوہدری کے آگے ٹک نہیں سکتا تھا.. جب مولوی ہو جاتا تھا تو چوہدری کیا کوئی بھی اُس کے آگے ٹک نہیں سکتا تھا.. سمجھ لو کہ ایسے وہ بد لہ لیتے تھے ان سے جو انہیں مکتر جانتے تھے.. ہے نا عجیب معلومات.. آہو!

”اوے سن رہے ہو؟“

کوئی بھی نہیں سن رہا تھا..

یہاں تک کہ بیگ بھی نہ ہال حالت میں تاریکی میں گم کہیں تھا..
چی چی۔ وہاب۔ ہاشم۔ گل شیر۔ جانی.. سب کے سب نقاہت سے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے تہہ خانے کے فرش پر بکھرے ہوئے تھے.. نیم مردہ تھے..
کوئی بھی نہیں سن رہا تھا..

”اوے سن رہے ہو؟“ اللہ بخش نے غصے سے پکارا..

اوپر قلعہ جنگی کے صحن کی رات سرد تر ہو رہی تھی اور لاشیں اُس کی تخت بستگی سے اپنے آپ ہی سکڑ رہی تھیں.. شیر محمد کو ہمیشہ سے سردی زیادہ لگتی تھی اور وہ سردیوں کی راتوں میں تازہ ڈھنکی ہوئی روئی کے چھینٹ والے پھوٹے ہوئے گرم لحاف میں بھی ٹانکیں پیٹ سے لگائے سکڑ تارہتا تھا.. اُس کی لاش اسی لیے بقیہ سینکڑوں لاشوں کی نسبت زیادہ سکڑ رہی تھی..

”نہیں سن رہے؟ میں نے تمہاری سنی ہے اور میری باری آئی ہے تو مچل مار کر سو گئے ہو..“ اللہ بخش اپنے ارد گرد کے اندر ہیرے سے مخاطب ہو کر خود کلامی میں مصروف ہو گیا ”بونوں کی بات ابھی باقی ہے اور تم سو گئے ہو.. ایک دفعہ ناں میں جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد میں گیا تو وہاں ایک افغانی آیا ہوا تھا.. مولوی صاحب کی آنکھیں بھری ہوئی تھیں اور ان کے آنسو داڑھی پر گرتے تھے اور انہوں نے ہمیں بتایا کہ یہ مجاہد ہے اور اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ ہے بہت دور سے آیا ہے اس کا وعظ سنو.. اس افغانی نے بڑے دردناک قصے سنائے.. کافروں کے ظلم کی داستانیں سنائیں .. اللہ رسولؐ کے واسطے دیئے، شہادت کا مرتبہ بیان کیا اور کہا کہ اسلام کی مدد کے لیے چندہ دو.. جتنے بھی نمازی تھے ان کے پاس جو کچھ تھا انہوں نے افغانی کی جھوٹی میں ڈال دیا اور سبھی آہ وزاری کر رہے تھے.. اُس نے نوٹ اکٹھے کیے اور اگلے گاؤں چلا گیا.. سو جی مجھ پر بھی بڑا اثر ہوا..“

”پاکستانی...“ ایک نہایت لاغری آواز جانی کی جانب سے آئی ”پاکستانی میں تمہارا نام بھول گیا ہوں.... بونے ابھی تک نہیں آئے.. قصہ ختم کرو“ ”ابھی آتے ہیں امریکی بھائی..“ اللہ بخش خوش ہو گیا کہ کوئی نہ کوئی تو اُس کی کہانی سن رہا ہے ”ہمارے علاقے میں ٹیوب ویل کا رواج زیادہ نہیں.. مہنگا پڑتا ہے.. ابھی تک کنویں کھود کر کام چلاتے ہیں.. تو ہمارے ایک چوہدری قائم دین کے بیٹے نے دوہی جا کر لمبی رقمی بھیجیں تو اُس نے سوچا کہ ان کی جو کلراٹھی زمین بے آباد پڑی ہے اُس میں ایک نیا کنوں کھدوالے.. کنوں کھوڈنے کے لیے ٹور کوٹ کے کار میگر بڑے مشہور تھے.. ان کو چوہدری نے بلا�ا... یہ بڑے کمال کے لوگ ہوتے ہیں کنوں کھوڈنے والے.. آہو.. بڑا حساب کتاب کرتے ہیں۔ ناپ تول کرتے ہیں۔ لمبائی چوڑائی مانپتے ہیں.. مٹی کو سو گھنے کر بتاتے ہیں کہ یہاں کنوں کھوڈو تو پانی کناروں تک آجائے گا.... پہلے زمین پر کنویں کا گول